مولانا عبد القیوم حقانی

خندۂ استہزاء یا دیدۂ عبرت

دیارِ مغرب سے پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیئے!

آج سے کچھ عرصہ قبل ۶ مارچ ۱۹۸۹ء کے روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی میں ایک خبر پڑھی تو اس کا تراشہ رکھ کر محفوظ کر لیا تھا، خیال تھا کہ مادی ترقی اور تہذیب جدید کے اس دور میں اپنے احباب کی بھی اس خبر سے ضیافتِ طبع کر دوں گا لیکن پھر دیگر مشاغل اور تعلیمی مصروفیات میں اس طرح گھر گیا کہ اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا۔ آج اتفاق سے گذشتہ سال کی ڈائری کھولی تو وہی تراشہ سامنے پایا، لیجئے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے! پہلی سُرخی ہے ؛۔

۱۹ سالہ انگریز نے کُتیا سے شادی کر لی

دوسری سُرخی یہ ہے :۔

یہ دونسلوں کے درمیان بہترین رابطہ ہے

یورپ کے متمدن اور ترقی یافتہ معاشرے کے ایک ۱۹ سالہ نوجوان نے اپنی کُتیا سے شادی رچالی ہے۔ دولہا کا نام "مارک سٹیڈ" اور دُلہن جو اعلیٰ نسل کی کُتیا ہے، کا نام "ہیکسی" ہے۔ شادی کے دن مارک سٹیڈ سیاہ رنگ کے سُوٹ میں ملبوس اونچا ہیٹ پہنے ہوئے تھا جبکہ اُس نے اپنی "زوجہ" کے گلے میں سفید رنگ کی پٹی ڈال رکھی تھی، شادی کی تقریب مقامی شادی ہال میں ہوئی جس میں ۶۰ مہمانوں نے شرکت کی، تقریب کے بعد مارک نے اپنی "دُلہن" کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا ؛۔

"بے شک تم کُتیا ہو لیکن مَیں تم سے محبت کرتا ہوں"

مارک جو آرٹس اور ڈیزائن کا طالب علم ہے، نے اپنی شریک حیات کے بارے میں مزید کہا کہ ___ " لوگ عورت سے محبت کرتے ہیں جبکہ میں اپنی کُتیا سے محبت کرتا ہوں اور میں اپنی کُتی بیوی "ہیکسی" کی اتنی خدمت کروں گا جتنی ایک خاوند اپنی بیوی کی کر سکتا ہے"۔

ایک انگریزی جریدے کے مطابق شادی کی دوسری تقریب (ولیمہ) "مارک" کے گھر واقع "وکسفورڈ اسیکس" میں ہوئی جس میں "مارک" کی ۴۳ سالہ والدۂ محترمہ "مم ارین" نے مہمانوں کو خوش آمدید کہا جبکہ دولہا کی بہنیں ۱۲ سالہ

"لی" اور "ناہن" اور بھائی "جوڈی" نے شراب سے مہمانوں کی تواضع کی۔

مارک کے ایک دوست نے جب "ہیکی" سے پوچھا کہ "کیا وہ اسے بحیثیتِ خاوند قبول کرتی ہے تو ہیکی" نے جواب میں اپنا سر زمین پر جھکا لیا جس کے بعد تمام مہمانوں نے بیک آواز خوشی سے گانا اور ناچنا شروع کر دیا۔"

مغربی تہذیب کے اسرار و رموز، اس کا مادہ پرستانہ مزاج، خود پسند قومیت، جانبدارانہ وطنیت تو اس کی سرشت میں ہے ہی مگر اس کا سب سے کمزور اور مذموم پہلو افلاس اقدار و اخلاق اور تعبیرِ عریانی و فحاشی ہے جس کی ایک جھلک گذشتہ واقعہ میں آپ نے دیکھ لی، یہی وجہ ہے اور سب جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب سے متاثر ذہن مذہب اور اخلاقی و روحانی اقدار کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ فسادِ قلب و نظر اسی تہذیب کی ناپاکی کا ثمرہ ہے۔ کتیا سے انسان کی شادی اس کا ایک ادنیٰ مظہر ہے، ان سے قلبِ سلیم کی دولت چھن گئی ہے سے

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیّت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک، خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

قارئینِ کرام! کتیا سے انسان کی شادی یورپ کا ایک واقعۂ شنیعہ قرار دے کر خندۂ استہزاء سے نہ ٹھکرائیں اپنے گرد و پیش کے ماحول اور اسلامیانِ پاکستان کا بھی محاسبہ کریں، اغیار کی آنکھ کا تنکا دیکھنے سے قبل اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دیکھ لینا چاہیئے۔ ہفت روزہ "زندگی" لاہور کا ایک مزید تراشہ پیشِ خدمت ہے کہ اس آئینے میں اپنا چہرہ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں کرکٹ میچ دیکھنے کیلئے جالندھر (بھارت) سے آنے والی ایک خاتون "کلدیپ فتح سنگھ" نے نمائندہ "زندگی" کے سوال کے جواب میں کہا:-

"میں نے شدت سے جو بات محسوس کی وہ یہ کہ میری نظر اسلامی معاشرے کی اس عورت کو تلاش کرتی رہی جو اسلامی تاریخ کے صفحۂ قرطاس پر ایک اعلیٰ کردار عزت و عصمت کی مورت اور پردے کی دلدادہ عورت تھی اور جس کی اسلام سے والہانہ محبت اور اسلامی قدروں سے گہری وابستگی تھی وہ کہیں نظر آئی ــــ

یہاں کی عورت فیشن میں یورپ کے شانہ بشانہ چل رہی ہے ہم خود تو اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ ہندوؤں اور سکھوں کے یہاں پردے کا اتنا اہتمام شروع ہی سے نہیں لیکن مسلمانوں کے ہاں تو شروع ہی سے پردے کی خاص اہمیت رہی ہے۔

مجھے یہاں آکر ایسا لگا ہے جیسے اکثر پاکستانی عورتوں نے پردے کے خلاف بغاوت کر دی ہے، میں آٹھ دس سال پہلے بھی آئی تھی لیکن اُس وقت میں اور آج میں نمایاں فرق محسوس ہوا اُس وقت پاکستانی مسلمان عورت کو اس طرح کھلے بندوں پردے سے بے نیاز نہیں دیکھا تھا، آج کی عورت کو دیکھ کر تو عقل حیران رہ گئی، اگر میری بات کا بُرا نہ مانیں تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ پاکستانی عورت کا ایک طبقہ مغربی تہذیب کی پرورش میں گھرا ہوا ہے، ایک اسلامی مُلک کی عورت کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے، مجھے تو کم از کم ایسی عورتوں کو بیباکانہ انداز میں پھرتے دیکھ کر شرم محسوس ہوتی ہے"۔

دیکھا آپ نے کلدیپ فتح سنگھ کا تبصرہ! آخری مذہبی تہذیب کے پاس ہے کیا؟ اس تہذیب کی اساس ہی دین و اخلاق کی دائمی دشمنی پر قائم ہے۔ یہ بے خدا تہذیب ہمیشہ اہلِ حق کے ساتھ نبرد آزما رہی ہے یہ وہ دزدِ دلاور ہے جو دن دیہاڑے ڈاکہ ڈالتا اور انسان کو بے روح و بے قیمت بنا دیتا ہے۔ مغرب کے پاس تہذیب کی رونق و بہار، وسعتِ اقتدار اور برق و بخارات کے استعمال و اختیار کے باوجود بے چینی و اضطراب سے چھٹکارا نہیں، ان کے پاس بجلی کی روشنی ضرور ہے لیکن اس سے کوئی فکری راہ روشن نہیں ہوتی اور نہ عالمِ غیب کی نورانیت کی اس میں کوئی جھلک ملتی ہے۔ یورپ میں علم و ہنر کی ترقی بہت ہے مگر یہ بحرِ ظلمات چشمۂ حیوان نہیں رکھتا۔

لاریب! یورپ میں انسان اور کُتیا کی شادی واقعۃً شرمِ انسانیت کردار ہے جس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے مگر اسلامیانِ عالم کو محض مذمت اور خندۂ استہزاء پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنی دینی اور مذہبی ذمہ داری کے پیشِ نظر اسے دیدۂ عبرت سے دیکھنا چاہیئے اور دیارِ مغرب سے پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لینی چاہیئے۔

رسالہ "جدوجہد" لاہور کا ایک تراشہ ملاحظہ فرمائیے جس میں ایک رقاصہ نے اب کے ترقی یافتہ آرٹ اور ثقافت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے:۔

"میں ایک رقاصہ ہوں، ایک طوائف ہوں اور آج بھی مجھے معاشرے میں بُری نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ہم نے ہندوستان کی بڑی بڑی سلطنتوں کے وارث پیدا کیے ہیں۔ ہمیں نوابوں، راجاؤں، بادشاہوں اور اُمراء کی عیش و عشرت کے لیے لایا گیا لیکن ہم نے اپنے فن یا فن کے کمال سے انہی ریاستوں میں حکمران بن کر حکومت کی چنانچہ آج بھی ہمارے بھائی بند کئی جاگیروں کے مالک ہیں۔ ہمیں اب تک کوئی یہ نہیں بتلا سکا کہ ہمارا قصور کیا ہے لیکن جو شریف زادیاں آج کلبوں اور نجی محفلوں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہیں، اپنے جسم کی عُریانی سے کشش پیدا کرتی ہیں، ان کا ناچ گانا اور ڈرامہ کرنا ایک ثقافتی پروگرام بن گیا ہے۔ کالجوں اور سکولوں میں دخترانِ ملت کو ہمارے انداز پر سب کچھ سکھایا جاتا ہے جو آرٹ بن گیا ہے۔ بڑے بڑے ماڈرن اور فیشن پرست رئیسوں کے

گھروں میں وہی تکیئے، وہی سارنگی اور طبلے نظر آئیں گے جن کی دختروں، بہنوں اور بیویوں کو میوزک ماسٹر تعلیم دینے گھر آتے ہیں، پھر ہمارے اور رئیسوں کے درمیان امتیاز کیوں؟

وہ بھی وقت تھا جبکہ فیشن ہمارے گھروں سے نکلتا تھا مگر اب ہم شریف زادیوں کی نقل کرنے پر مجبور ہیں، کیا کوئی بتائے گا کہ کلچرل پروگراموں میں حصہ لینے والی لڑکیوں اور طوائفوں میں کیا فرق ہے؟"

مغربی تہذیب کے مشرق میں آئی تو انسانیت کی آبرو لٹ گئی اور ـــ

حیا سر پیٹتی ہے عصمتیں فریاد کرتی ہیں

سٹیج پر آ کر انسانی مساوات اور عدالتِ اجتماعی کی تعلیم دینے والے مغربی تہذیب کے علمبردار درحقیقت اخلاق و شرافت، غیرت و حمیت اور انسانیت کا خون پیتے ہیں۔ بیکاری و عریانی، مے نوشی اور افلاس فرنگی مدنیت کے سرفہرست فتوحات اور کارنامے ہیں ـــ

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

جو قوم فیضانِ سماوی سے محروم ہوتی ہے اُس کے کمالات کی حد اور مبلغ علم برق و بخارات سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس تہذیب میں مشینوں کی حکومت ہے، صنعت و حرفت کی بادشاہی ہے اور اسی کا سکہ چل رہا ہے مگر اس میں دلوں کی موت، احساس مروت اور انسانی شرف و عزت کی ہلاکت بھی یقینی ہے ـــ

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اُس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

تہذیب مغرب نے دیارِ مغرب میں جس اخلاق سوزی اور انسانیت سوزی کا کردار ادا کر چکی ہے کیا اہل مشرق اُسی کو سینہ سے لگا کر ادبار و تنزل کی موجودہ منزلت تک نہیں پہنچے؟ کیا ایک رقاصہ کا طعنہ اور کلدیپ فتح سنگھ کا تبصرہ اسلامیانِ پاکستان کے منہ پر شرم و رسوائی کا عبرت انگیز طمانچہ نہیں ہے؟ ہے کوئی دیدۂ عبرت جو وا ہو سکے؟

علیحدہ ڈائری خریدنے کی ضرورت نہیں
شائع ہو گئی ہے!
خلافت راشدہ جنتری
سنہ ۱۹۹۰ء بمعہ ڈائری
سائز: ۳۰×۲۰/۸
صفحات: ۱۵۰
ہدیہ ۲۰/ روپے
اسلامی معلومات سے بھرپور بمعہ تاریخ ساز کثیر الاشاعت ڈائری
ہر بک سٹال سے طلب فرمائیں
مدیر اعلیٰ - ابو ریحان ضیاء الرحمٰن فاروقی